۲۔ شرائط جواز نکاح

۳۔ شرائط لزوم نکاح

انعقاد نکاح کی پہلی شرط عقل، دوسری بلوغ اور تیسری رضامندی ہے۔

یہ وہ شرائط ہیں جنکا تعلق عاقدین نکاح سے ہے جبکہ چوتھی شرط اتحاد مجلس اور پانچویں مجلس عقد میں گواہوں کی موجودگی ہے۔ یہ وہ شرائط ہیں کہ جنکا تعلق مجلس عقد سے ہے۔ (جواز نکاح اور لزوم نکاح کا موضوع زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیئے اس سے صرف نظر کیا گیا ہے)

مرد کے ذمہ نکاح کے تعلق سے دو اہم فرائض عائد ہوتے ہیں (۱) مہر کی ادائیگی، (۲) نان و نفقہ کی ادائیگی۔ مگر عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مہر کو بالکلیہ یا اسمیں سے کچھ حصہ واپس کردے یا ادائیگی سے قبل ہی اسے جزءً یا کلیۃً معاف کردے۔ اسطرح اگر کوئی عورت بجا اچھی ملازمت یا اپنی مالداری کے اپنے شوہر کو ادائی نفقہ سے آزاد کردے تو اس سے نفس نکاح میں کسی قسم کا کوئی فساد واقع نہیں ہوتا۔ کیا ہمارے معاشرے میں ایسی مثالیں موجود نہیں ہیں کہ بیویاں کمارہی ہیں اور شوہروں کے پاس نہ کوئی ملازمت ہے اور نہ ہی کاروبار۔ اس لیئے مجبوراً حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے انہوں نے گھریلو ذمہ داریاں اپنے سر لے لی ہیں۔ پھر کسی شرط کے عائد کرنے کا کسی قدر غالب (شرط) کے فقدان سے اسکی شرعی حیثیت بہرحال مجروح نہیں ہوجاتی۔ تاہم عام حالات میں ایسے نکاح کو پسندیدہ اور مستحسن بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہاں کسی خاص صورت حال میں اسطرح کے نکاح یقیناً مفید بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ اور معاشرے میں زنا کو روکنے کا ذریعہ بھی۔ اس لیئے اصلاً اسے جواز کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

مسیار کی ایک دوسری شکل یہ بھی ہے کہ مرد بہت مالدار ہو اور عورت، غریب ایسا مرد جب کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اسے مہر میں گراں قدر رقم کے ساتھ ساتھ تحفے تحائف بھی دیتا ہے۔ اکثر و بیشتر جائیداد بھی، پھر کچھ عرصے بعد اسے طلاق دے کر چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسیار میں طلاق بطور شرط کے نہیں ہوتی۔ ہاں بالعموم ایسا ضرور ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا کچھ عرصہ کے بعد اسے چھوڑ جاتا ہے مگر وہ اسے محتاجگی کی حالت میں نہیں چھوڑتا بلکہ اکثر عورت کو اسکی حیثیت سے بڑھ کر مال و متاع دیکر جاتا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹ جولائی ۲۰۰۶ء کے حوالے سے انٹرنیٹ سے جاری ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق ۸۰ فیصد مسیار شادیاں، طلاق سے محفوظ قرار دی گئی ہیں۔ مسیار شادیوں میں گو وہ کتنے ہی محدود مدت پر کیوں نہ ختم ہوگئی ہوں اگر اسمیں ثبوت نسب اور ایک دوسرے کی زوجیت میں مرنے کی صورت میں حصول وراثت سے انکار نہ پایا جاتا ہو۔ تو اسے صراحتاً جائز قرار دیا جائے گا۔

روایت تلک غرانیق العلی کی تحقیق

علامہ غلام رسول سعیدی
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان
شیخ الحدیث والتفسیر دارالعلوم نعیمیہ، کراچی

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ فینسخ اللہ مایلقی الشیطن ثم یحکم اللہ ایتہ واللہ علیم حکیم۔ (الحج/۵۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا تو جب بھی اس نے (اپنی امت کو وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اسکی تمنا (پوری ہونے) میں رخنہ ڈال دیا۔ سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو زائل کردیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کردیتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔

الحج: ۵۲ کے چند مشہور تراجم

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ لکھتے ہیں:

ونفرستادیم پیش از تو ہیچ رسولے ونہ خبر دہندہ از خدا مگر چوں تلاوت کرد بیفگند شیطان در تلاوت او آنچہ خواست پس باطل گرداند خدائے آنچہ درافگندہ باشد شیطان پس ثابت کند خدائے آیت ہائے خود را۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

ونفرستادیم پیش از تو ہیچ فرستادہ ونہ ہیچ صاحب وحی الاچوں آرزو ئے بخاطر بست بافگند شیطان چیزے در آرزوئے وے پس دور مے کند خدا آنچہ شیطان انداختہ است باز محکم مے کند خدا آیات

خور دار۔

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول اور نہ نبی مگر جس وقت آرزو کرتا تھا ڈال دیتا تھا شیطان بیچ آرزو اس کے کے پس موقوف کر دیتا ہے اللہ، جو ڈالتا ہے شیطان پھر محکم کرتا ہے اللہ نشانیوں اپنی کو۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب خیال باندھنے (لگا) شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں، پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے۔

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی متوفی (۱۹۶۱ء) لکھتے ہیں:

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ نبی مگر یہ کہ جب پڑھا تو شیطان نے اپنی طرف سے اپنوں کے لیے بڑھا دیا ان کے پڑھنے میں تو میٹ دیتا ہے اللہ جو شیطان کا القاء ہے پھر مضبوط فرما دیتا ہے اللہ اپنی آیتوں کو۔

حضرت سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے (غیب کی خبریں دینے والا اپنا مبعوث) کوئی رسول اور نبی آپ سے پہلے نہیں بھیجا مگر اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت کے دوران (لوگوں پر اپنی طرف سے) ڈال دیا تو اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کے ڈالے ہوئے کو اور پھر اپنی آیتیں خوب پکی کر دیتا ہے۔

شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اس آیت میں تمنی کا معنی آرزو کیا ہے۔ شیخ تھانوی اور سید مودودی نے بھی یہی معنی کیا ہے اور باقی مترجمین نے تمنی کا معنی پڑھا یا تلاوت کیا، کیا ہے اور موخر الذکر معنی ایک روایت پر مبنی ہے جو شدید ترین ضعیف ہے اور بعض نے اس کو موضوع کہا ہے اور تمام محققین علماء، مفسرین اور محدثین نے تمنی کا معنی آرزو ہی کیا ہے۔ پہلے ہم اس شدید ضعیف روایت کا ذکر کریں گے جس کو اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے پھر اس روایت کا شدید ضعف بیان

کریں گے پھر اس سلسلہ میں مفسرین اور محدثین کی نقول اور تصریحات پیش کریں گے فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

الحج:۵۲ کا شان نزول

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ذکر ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی تو آپ نے سجدہ کیا اور سب مسلمانوں اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۷۱) مشرکوں نے جو سجدہ کیا اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

افرایتم اللات والعزی و مناۃ الثالثۃ الاخری۔ (النجم:۱۹)

کیا تم نے دیکھا لات اور عزیٰ کو اور اس تیسری مناۃ کو۔

تو مشرکین اس بات سے خوش ہوئے کہ قرآن کریم میں ان کے بتوں کا ذکر آ گیا اور انہوں نے بھی سجدہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں مسند بزار اور تفسیر ابن مردویہ میں ایک شدید ضعیف روایت ذکر کی گئی ہے۔ جس میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب و مناۃ الثالثۃ الاخری کی تلاوت کی تو شیطان نے آپ کی تلاوت میں خود یہ الفاظ ملا دیے یا آپ کی زبان سے جاری کرا دیے۔

تلک الغرانیق العلی فان شفاعتھن ترتجی۔

یہ مرغان بلند بانگ ان کی شفاعت کی مقبولیت متوقع ہے۔

یہ سن کر مشرکین خوش ہوئے اور سجدہ کر لیا۔ بعد میں جبرائیل نے آ کر عرض کیا آپ نے وہ چیز تلاوت کی جس کو میں لے کر آیا نہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا اور آپ کے استفسار پر بتلایا کہ آپ نے یہ کلمات پڑھے۔ آپ رنجیدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں:

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ ایتہ۔ (الحج:۵۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کے ساتھ یہ واقعہ گزرا ہے) جب اس نے آیات کی تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا پس اللہ تعالیٰ نے شیطان کے ملائے کو منسوخ کر دیا اور اپنی آیات کو محکم کر دیا۔

یہ روایت اپنی تمام اسانید کے ساتھ سنداً باطل اور عقلاً مردود ہے، کیونکہ نہ یہ ممکن ہے کہ شیطان آپ کی زبان سے کلام کرے اور نہ یہ کہ اپنی آواز کو آپ کے مشابہ کر سکے اور سننے والے اس کی آواز آپ کی آواز قرار دیں اگر بالفرض ممکن ہو تو تمام شریعت سے اعتماد اٹھ جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم

تک صحابہ کی روایت سے جو احکام پہنچے ہیں وہ آپ کا فرمان نہ ہو بلکہ شیطان کا کہا ہوا ہو۔ نیز حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ شیطان خواب میں آکر حضور ﷺ کی مثل نہیں بن سکتا تو جب شیطان آپ کی صورت کے مماثل نہیں ہوسکتا تو آواز کے مماثل کیسے ہوسکتا ہے اور جب وہ سونے والے پر اشتباہ نہیں ڈال سکتا حالانکہ وہ اس حال میں مکلف نہیں ہوتا تو بیدار پر کیسے اشتباہ ڈال سکتا ہے جبکہ وہ مکلف ہوتا ہے امام ابو منصور ماتریدی، امام بیہقی، امام رازی، قاضی بیضاوی، علامہ نووی، علامہ کرمانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ قسطلانی اور علامہ آلوسی اور دیگر تمام محققین نے ان روایات کو رد کر دیا ہے۔ اہل علم میں سوا علامہ عسقلانی اور علامہ کورانی کے کسی نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا۔ سورۂ حج کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی تبلیغ کے پیش نظر امت میں وسعت کی تمنا کرتے تو شیطان مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک ڈال دیتا۔ مثلاً شجرۃ الزقوم کے بارے میں کہتا جہنم میں درخت کا کیا معنی؟ درخت تو لکڑی کا ہوتا ہے اور آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے پھر جہنم میں درخت کیسے ہوسکتا ہے۔ قرآن میں مکھی کا ذکر آیا تو کہا اتنا بڑا خدا ہے اور اتنی حقیر چیز کی مثال دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم۔ (الانبیاء:۹۸)

تم اور اللہ کے سوا تمہارے معبود سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

تو کیا عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی بھی عبادت کی گئی ہے اگر وہ بھی جہنم میں گئے تو ہمارے بت بھی چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه۔ (الانعام:۱۲۱)

جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ۔

تو کیا کمال ہے خدا کا مارا ہوا حرام ہو اور تمہارا مارا ہوا حلال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے ان تمام شبہات کو زائل کر کے اپنے دین اور اپنی آیات کو محکم فرما دیا۔ اس تفسیر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمنی کا معنی "پڑھا" نہیں بلکہ "آرزو کی" ہے۔ اور اب آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔

"ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول اور نبی کو نہیں بھیجا مگر جب بھی اس نے (اپنی امت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے اس کی تمنا میں (لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے) خلل ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسہ کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے"۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۱۵۷)

روایت تلک الغرانیق کا متن

امام بزار بیان کرتے ہیں:

امام بزار اپنی سند میں یوسف بن حماد، امیہ بن خالد، شعبہ، ابو بشر، سعید بن جبیر کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مکہ میں تھے آپ نے سورۂ النجم پڑھی جب اس آیت پر پہنچے "افرایتم اللات والعزی ومنوة الثالثة الاخری" تو نبی ﷺ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے۔ "تلک الغرانیق العلی فان الشفاعة منهم ترتجی" یہ مرغان بلند بانگ ان کی شفاعت متوقع ہے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مشرکین یہ سن کر خوش اور رسول اللہ ﷺ رنجیدہ ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کوئی نبی یا رسول بھیجا تو اس کے ساتھ یہ ہوا ہے کہ جب اس نے تلاوت کی تو شیطان اس کی تلاوت میں کچھ القاء کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے القاء کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات پختہ کر دیتا ہے۔

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام بزار لکھتے ہیں:

کہ ہمارے علم میں اس سند کے سوا اس حدیث کی اور کوئی ایسی سند متصل نہیں ہے جس کا ذکر کرنا جائز ہو۔ امیہ بن خالد مشہور ثقہ ہے یہ حدیث کلبی از ابو صالح از ابن عباس کی سند کے ساتھ معروف ہے۔ (کشف الاستار ج ۳ ص ۷۲)

علامہ الہیثمی اس روایت کو امام طبرانی اور امام بزار کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے فرمایا: میں اس حدیث کو صرف حضرت ابن عباس کی روایت سے جانتا ہوں۔ سورۂ حج کی تفسیر میں اس سے طویل حدیث گزر چکی ہے لیکن وہ ضعیف الاسناد ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۰۲ھ)

علامہ الہیثمی نے امام طبرانی کی اس دوسری روایت کو عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے اور یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عروہ بن الزبیر تابعی ہیں، انہوں نے زمانہ رسالت کو نہیں پایا تھا۔ اس کا ذکر مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۲۔۷۱ میں ہے اور ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۵۸۔۱۵۷ میں بیان کیا ہے۔

روایت تلک الغرانیق کی فنی حیثیت پر بحث ونظر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ان روایات کی تمام اسانید ہر چند کہ ضعف، انقطاع اور ارسال سے خالی نہیں لیکن چونکہ یہ روایت متعدد اسانید سے منقول ہے اس لیے اس کی کثرت اسانید سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۹ طبع لاہور)

علم حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا مقام بہت بلند ہے اور ہم ان کی عظمتوں کی گرد راہ کو بھی نہیں پا سکتے لیکن اس کے باوجود معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے انقطاع کی صراحت کے ساتھ یہ حدیث بزار اور ابن مردویہ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے پھر کلبی، سدی، نحاس، ابن اسحاق طبری، ابن ابی حاتم اور ابن منذر کی اسانید کے ساتھ بھی حضرت ابن عباس سے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ تصریح بھی کی ہے کہ یہ اسانید ضعف اور انقطاع سے خالی نہیں ہیں۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ روایت اپنی تمام اسانید کے ساتھ صرف حضرت ابن عباس سے مروی ہے ان کے علاوہ کسی اور صحابی سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہوتی تو یہ واقعہ ان عجیب وغریب امور پر مبنی ہونے کی وجہ سے بکثرت صحابہ سے مروی ہوتا۔ جبکہ اس روایت کے مطابق اس وقت بکثرت صحابہ موجود تھے پھر صرف حضرت ابن عباس ہی اس کو کیوں روایت کرتے ہیں؟ دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور ہجرت کے وقت حضرت ابن عباس کی عمر صرف تین سال تھی۔ تو کیا ایک یا دو سال کی عمر میں حضرت ابن عباس نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا؟ اس روایت کو وضع کر کے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرنے والوں نے اس وقت ابن عباس کی عمر پر بھی غور نہیں کیا۔ تیسری گزارش یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے شیطان نے یہ کلمات (تلک الغرانیق العلی) کہلوا لیے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا آپ نے وہ بات کہی جس کو میں لے کر نہیں آیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے نازل کی اس پر آپ رنجیدہ ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے حزن وملال کو زائل کرنے کے لیے سورۂ حج کی یہ آیت نازل فرمائی (وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی) اور سورۂ حج مدنی ہے اور سورۂ نجم سن کر مشرکوں کے سجدے کا واقعہ ہجرت سے کئی سال پہلے کا ہے تو گویا آپ کو جو اس واقعہ سے رنج وملال ہوا اس کو زائل کرنے کے لیے کئی سال بعد سورۂ حج کی یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات منطق کے بھی خلاف ہے اور اس متن کثرت روایت کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ آپ رنجیدہ ہوئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے۔ چوتھی گزارش یہ ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کو پہنچانے میں

رسول اللہ ﷺ سے عمداً نسیاناً سہواً کسی طرح غلطی نہیں ہو سکتی پھر یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ بقول اس روایت کے نبی ﷺ سے العیاذ باللہ کفریہ کلمات صادر ہو گئے۔ پانچویں گزارش یہ ہے کہ نبی ﷺ پر شیطان کا جبر کرنا کسی مسلمان کے نزدیک متصور نہیں ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیطان نے یہ کلمات آپ سے کہلوا لیے ہوں۔ ہم اس روایت سے ہزار بار اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

روایت تلک الغرانیق کے بارے میں محدثین کی آراء

حافظ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض اور ابن عربی نے اس روایت کو رد کیا ہے اور یہی چیز نبی ﷺ کی جلالت قدر اور عظمت شان کے لائق ہے۔ کیونکہ ان کلمات کفریہ کے جاری ہونے سے آپ کی زبان کی عصمت، نزاہت اور براءت دلائل کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ آپ اس چیز سے بری ہیں کہ آپ کے قلب یا زبان پر اس قسم کی کوئی چیز جاری ہو یا شیطان کا آپ پر تسلط ہو یا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات کی عمداً سہواً نسبت کریں۔ یہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے محال ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے یہ امر مخفی نہ رہتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۶۶)

قاضی عیاض اس بحث میں لکھتے ہیں اس روایت کو مصنفین کتب صحاح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا نہ یہ کسی سند صحیح اور متصل سے مروی ہے اس روایت کو بعض ان مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے جو عجیب وغریب باتوں کو جمع کرنے کے شوق میں ہر قسم کی رطب ویابس اور غلط سلط باتیں بیان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے اس روایت کے راویوں کی فنی کمزوریاں ذکر کی ہیں پھر بکثرت دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی ﷺ کی زبان پر شیطان کا تسلط محال ہے اور یہ ممکن نہیں کہ قرآن مجید پہنچاتے ہوئے آپ کی زبان سے وہ بات نکلے جو اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو۔ پھر قاضی عیاض فرماتے ہیں اگر ایسا ہوا ہوتا تو مشرکین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے۔ منافقین نبی ﷺ کی نبوت میں طعنہ زنی کرتے اور العیاذ باللہ کئی ضعیف القلب مسلمان مرتد ہو جاتے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ شیطان نے القاء ضرور کیا ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ پر نہیں بلکہ ان بعض غافل محدثین پر القاء کیا ہے جنہوں نے ضعیف مسلمانوں کے دین میں خلل ڈالنے کے لیے شیطان سے یہ روایت سنی اور (حضرت عبداللہ ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے) مختلف اسانید سے پھیلا دی۔ (الشفا مخلصاً ج ۲ ص ۱۱۰۔۱۰۶ طبع ملتان)

علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ تلک الغرانیق العلی والی روایت باطل ہے۔ عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً، کیونکہ مشرکین کے خداؤں کی تعریف کرنا کفر ہے۔ نبی ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح نہیں نہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ کہا العیاذ باللہ آپ اس سے بری ہیں۔ سورۂ نجم کی تفسیر میں بھی علامہ کرمانی نے اس کا رد کیا ہے۔ (شرح الکرمانی ج ۶ ص ۱۵۳، ج ۸ ص ۱۱۶)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو روایت میں ہے کہ مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے ان کے باطل خداؤں کی تعریف کی تھی، یہ باطل قول اور زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۳۲ طبع ملتان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ یہ عقلاً اور نقلاً وجوہ کثیرہ سے باطل ہے اور یہ روایت موضوع ہے۔

(اشعۃ اللمعات، ج ۳ ص ۳۲ لکھنؤ)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمنی کا معنی "پڑھا" کرنا صحیح بخاری کی اس حدیث پر مبنی ہے۔ وقال ابن عباس فی امنیتہ اذا حدث القی الشیطن فی حدیثہ فیبطل اللہ ما یلقی الشیطان ویحکم آیاتہ ویقال امنیتہ قراتہ۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۹۳، کراچی)

حضرت ابن عباس نے امنیتہ کی تفسیر میں کہا جب آپ بات کرتے تو شیطان آپ کی بات میں کچھ ڈال دیتا پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے کو باطل کر دیتا اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا۔ امنیتہ کا معنی ہے اس کا پڑھنا۔

یہ امام بخاری کی (سند کے ساتھ) روایت نہیں ہے۔ انہوں نے بغیر سند کے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصریح کے مطابق امام بخاری کی تعلیقات میں شدید ترین ضعیف احادیث بھی ہیں۔

حافظ بدرالدین عینی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس قسم کے واقعہ سے نبی ﷺ کی عصمت اور نزاہت پر دلیل قائم ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے آپ اس سے بری ہیں کہ آپ کے دل یا زبان پر ایسی کوئی چیز بھی جاری ہو عمداً نہ سہواً یا شیطان کسی طرح سے آپ پر کوئی تسلط نکال سکے یا آپ اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کریں۔ عمداً نہ سہواً۔ عقل کے نزدیک بھی یہ واقعہ محال ہے اگر یہ واقعہ ہوتا تو بکثرت مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے اور آپ کے پاس جو مسلمان تھے ان سے یہ واقعہ مخفی نہ رہتا۔ (عمدۃ القاری جز ۱۹ ص ۶۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

روایت تلک الغرانیق کے بارے میں مفسرین کی آراء

قاضی ابوبکر بن العربی نے دس وجوہ سے اس روایت کو باطل کیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب نبی کے پاس فرشتہ کو وحی دے کر بھیجتا ہے تو اس میں ایک علم پیدا کرتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے ورنہ نبی کو کیسے یقین ہوگا کہ یہ اللہ کی وحی ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان آ کر کچھ کلمات پڑھے اور آپ کو پتہ نہ چلے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر و شرک سے معصوم رکھا ہے اور جو شخص ایک آن کے لیے بھی آپ پر کفر کو جائز رکھے وہ خود اسلام سے خارج ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ بتوں کی تعریف کرنا اور ان کو شفاعت کرنے والا کہنا کفر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم امت محمد ﷺ کا تجھٹ ہیں ہم بھی ان کلمات کا کفر یہ ہونا جانتے ہیں تو حضور ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معرفت کرائی ہے، کب ان کلمات کے کفر سے غافل ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے اسی طرح باقی وجوہات بیان کیں اور آخر میں فرمایا کہ یہ تمام روایت باطل ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۰۲-۱۳۰۰، بیروت)

علامہ نسفی اس روایت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس روایت کے مطابق اگر آپ نے یہ کلمات عمداً کہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ کفر ہے اور اگر شیطان نے بزور آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری کرائے تو یہ بھی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان عبادی لیس لک علیہم سلطن۔ (الاسراء: ۶۵)

(اے شیطان) تجھے میرے خاص بندوں پر تسلط نہیں ہو سکتا۔

تو حضور پر بطریق اولیٰ تسلط نہیں ہوگا، یا سہو اور غفلت کی وجہ سے یہ کلمات نبی ﷺ کی زبان سے نکل گئے۔ یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ وحی پہنچاتے ہوئے اس قسم کی غفلت آپ پر جائز نہیں ہے ورنہ شریعت سے بالکلیہ اعتماد اٹھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (حم السجدہ: ۴۲)

(قرآن میں) باطل نہ سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔

یعنی غیر قرآن، قرآن میں شامل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (الحجر: ۹)

ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۳۱۳، پشاور)

علامہ نجم الدین احمد بن محمد القمولی متوفی ۷۲۷ھ لکھتے ہیں کہ یہ روایت قرآن، سنت اور عقلی دلائل سے باطل ہے پھر انہوں نے اس کے بطلان پر قرآن مجید کی سات آیات پیش کی ہیں، اور سنت سے اس کے بطلان پر دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس قصہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ روایت زندیقوں نے گھڑی ہے اور اس پر انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے فرمایا یہ قصہ از روئے روایت ثابت نہیں ہے اور انہوں نے اس روایت کے تمام راویوں پر کلام کیا اور یہ واضح کیا کہ اس کے تمام راوی مطعون ہیں۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی جس کو سن کر تمام مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا اور اس میں غرانیق کا قصہ نہیں ہے۔ اس کے بعد علامہ قمولی نے اس روایت کے بطلان پر پانچ عقلی دلیلیں قائم کی ہیں۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہو کہ نبی کریم ﷺ کے قرآن پہنچانے میں شیطان آپ کی زبان سے وہ کلمات کہلوادے جو قرآن نہیں ہیں تو شریعت سے بھروسا اور اعتماد اٹھ جائے گا اور ہر آیت میں یہ احتمال ہوگا کہ شاید یہ غیر قرآن ہو اور یہ بداہتہً باطل ہے۔ (تکملہ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۸۔ ۲۳۷، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:

وان كادوا ليفتنونك عن الذي اوحينا اليك لتفتري علينا غيره واذا لاتخذوك خليلا. ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا۔ (الاسراء: ۷۳۔۷۴)

وہ آپ کو ہماری وحی سے لغزش دینے کے قریب تھے تا کہ آپ ہم پر کوئی بات گھڑ دیں اور اس وقت وہ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو مضبوط نہ رکھتے تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے۔

ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اللہ پر افتراء باندھنے سے محفوظ اور معصوم رکھا اور اس روایت میں ہے کہ آپ نے اللہ پر افتراء باندھا اور وہ بات کہی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی۔ نیز یہ ہے کہ آپ نے کہا "میں نے شیطان کی اطاعت کی اور اس کا کلام کہا" لہٰذا یہ روایت صراحتاً ان آیتوں کے خلاف ہے اور ان کی ضد ہے۔ پس یہ روایت اگر سند صحیح سے بھی وارد ہوتی تو مردود قرار دی جاتی اور جب فی الواقع اس کی سند صحیح نہیں ہے تو کیوں کر نہ مردود ہوگی۔ نیز علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہم اس روایت سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس کی کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۷۶۔ ۷۵، دار الفکر بیروت)

علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں کہ ابن عطیہ، زمخشری اور بعض دوسرے مفسرین نے اس جگہ ایسی چیزیں لکھی ہیں جس کا وقوع عام مسلمانوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ ان کی نسبت نبی معصوم ﷺ کی طرف کی جائے جامع السیرۃ النبویہ امام محمد بن اسحاق سے اس قصہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو زندیقوں نے گھڑ لیا ہے اور اس پر انہوں نے ایک مستقل کتاب لکھی اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے فرمایا کہ از روئے روایت یہ قصہ صحیح نہیں اور اس کے تمام راوی مطعون ہیں اور صحاح اور حدیث کی دیگر معتبر کتب میں یہ قصہ نہیں ہے اور اس قصہ کو پھینک دینا واجب ہے اس لیے میں نے اپنی کتاب کو اس قصہ کے ذکر سے پاک رکھا ہے۔ جن لوگوں نے اس قصہ کو نقل کیا ہے ان پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو وہ قرآن مجید میں یہ آیات تلاوت کرتے ہیں:

والنجم اذا هوى. ما ضل صاحبكم وما غوى. وما ينطق عن الهوى.

ان هو الا وحي يوحى۔ (النجم: ۱۔۴)

قسم ہے روشن ستارے کی جب وہ زمین پر اترا۔ تمہارے آقا نہ کبھی گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے۔ ان کا فرمانا صرف وحی سے ہوتا ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور یہ آیت پڑھتے ہیں:

قل ما يكون لي ان ابدله من تلقاء نفسي ان اتبع الا ما يوحى الي (یونس ۱۵)

مجھے حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں، میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

اور ان آیات کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ بھی منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے قرآن مجید پہنچاتے ہوئے اس میں کچھ اور کلمات ملا دیئے۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۵۲۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ آلوسی نے ص ۲۹۳ سے لے کر ص ۲۷۹ تک اس موضوع پر طویل بحث کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ ابراہیم کورانی نے اس روایت کی جس قدر تاویلات بیان کی ہیں سب کا چن چن کر رد کیا ہے۔ اس بحث میں انہوں نے حصص الاتقیاء سے شیخ ابومنصور ماتریدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ شیطان نے اپنے زندیق اور بے دین چیلوں کے دلوں میں تلک الغرانیق کا وسوسہ ڈالا ہے تا کہ وہ ضعیف مسلمانوں کو دین کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا کریں حالانکہ بارگاہ رسالت پناہ اس قسم کی خرافات سے بری ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۷۹۔ ۲۹۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شیخ ابو منصور ماتریدی کی طرح قاضی عیاض نے بھی یہی لکھا ہے اور اس کی تائید میں حضرت ملا علی قاری نے یہ آیت پیش کی:

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غرورا ط ولو شاء ربک ما فعلوہ فذرہم وما یفترون۔ (الانعام: ۱۱۳)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کا شیاطین انس اور جن کو دشمن بنا دیا یا ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) بہکانے کے لیے پہنچاتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے پس آپ انہیں اور ان کے بہتان کو چھوڑ دیں۔

اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ جن کو تم نے سنا ہوگا نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں تا کہ وہ تمہیں گمراہ کر سکیں نہ فتنہ میں ڈال سکیں۔ نیز آپ نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے اور وہ تم کو ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں تا کہ وہ تم کو گمراہ کر سکیں نہ فتنہ میں ڈال سکیں۔ (شرح الشفاء ج ۳ ص ۹۴، بیروت)

ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے الحج ۵۲: کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

تنویر المقباس، جامع البیان، کشاف، مدارک، روح البیان، جلالین، در منثور، جمل، تفسیر مظہری اور تفاسیر شیعہ میں سے تبیان، مجمع البیان اور قمی میں ان روایات پر اعتماد کیا گیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جب سورۃ النجم کی آیات تلاوت کر رہے تھے تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ کلمات کہلوا دیے تلک الغرانیق العلی ان شفاعتھن لترتجی اور سورۃ الحج: ۵۲ کا یہ معنی کیا ہے ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول اور نبی کو بھیجا تو جب اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔ اس کے برخلاف الجامع لاحکام القرآن القرطبی، احکام القرآن لابن العربی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ثعالبی، احکام القرآن للجصاص، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، زاد المسیر، فتح البیان اور تفسیر منیر میں ان روایات کو مسترد کر دیا ہے اور بر سبیل تنزل ان کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب آپ نے تلاوت کے دوران وقفہ کیا تو شیطان نے آپ کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر اس وقفہ میں یہ کہا تلک الغرانیق العلی ان شفاعتھن لترتجی اور سننے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے یہ کلمات فرمائے ہیں اور تفسیر مراغی، نظم الدرر اور تفسیر صاوی نے سورۃ حج: ۵۲ کا یہ معنی کیا ہے ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول یا

نبی کو بھیجا تو اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کے سننے والوں کے دلوں میں اس تلاوت کے خلاف شبہات ڈال دیے۔ اور البحر المحیط، تفسیر بیضاوی، خفاجی، تفسیر مدارک، خازن، روح المعانی، تفسیر کبیر، الاساس فی التفسیر، المحرر الوجیز، اضواء البیان، تفسیر قاسمی، الجواہر للطنطاوی، فی ظلال القرآن، فتح القدیر اور تفاسیر شیعہ میں سے منہج الصادقین اور تفسیر نمونہ میں ان روایات کو بہ کثرت دلائل سے مسترد کر دیا ہے اور سورۃ حج: ۵۲ کا یہ معنی کیا ہے: ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول اور نبی کو بھیجا اور اس نے (اپنی امت کے بڑھنے کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر) اس تمنا میں خلل ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں کو مٹا دیا اور اپنی آیات کو محکم کر دیا۔ اور ہمارے نزدیک یہی تفسیر صحیح ہے اور جن اہل سنت مفسرین اور مترجمین نے اس کے خلاف ترجمہ اور تفسیر کی ہے وہ صحیح العقیدہ علماء ہیں اگر وہ بھی زیادہ غور و خوض سے کام لیتے اور زیادہ تحقیق اور جستجو کرتے تو امید ہے کہ وہ بھی اسی ترجمہ اور تفسیر کو اختیار کرتے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہم نے اس روایت کی فنی نوعیت واضح کی اور جلیل القدر محدثین اور مفسرین کی آراء بھی بیان کی ہیں جن سے اس روایت کا من گھڑت اور جھوٹ ہونا واضح ہو گیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ شیطان نے نبی ﷺ کی مشابہ آواز میں یہ کلمات کہے اور سننے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے یہ کلمات فرمائے ہیں۔ اس جواب کو بعض علماء نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جس طرح شیطان آپ کی شکل نہیں بن سکتا اسی طرح آپ کی آواز کی شکل بھی نہیں بنا سکتا، کیونکہ مماثلت کی نفی یا اس وجہ سے ہے کہ ہدایت اور گمراہی میں اشتباہ نہ ہو یا تعظیم کی وجہ سے ہے اور اگر شیطان آپ کی آواز کی شکل پر قادر ہو تو یہ تعظیم کے خلاف ہے اور اگر شیطان آپ کی آواز کی نقل اتار سکے اور لوگ شیطان کی آواز کو آپ کی آواز سمجھ لیں تو ہدایت گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی۔ بعض علماء نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ لوگ شیطان کی آواز سنتے تھے کیونکہ جنگ بدر میں شیطان نے کفار سے کہا تھا کہ "لا غالب لکم الیوم" اور جنگ احد میں شیطان نے آواز دی تھی کہ "حضور ﷺ شہید ہو گئے" لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں شیطان کی آواز حضور ﷺ کے مشابہ تھی نہ کسی نے اس کی آواز کو آپ کے مشابہ سمجھا تھا پھر اس سے اس پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے کہ شیطان آپ کی آواز کی مشابہت کر سکتا ہے۔

میرے نزدیک چونکہ یہ روایت بارگاہِ رسالت کی عظمتوں کے منافی تھی، اس لیے میں نے اس کے رد اور ابطال میں کافی تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے۔ میں اس پر بہت عرصہ غور و فکر کرتا رہا ہوں۔ سب سے پہلے میں نے یہ بحث ابریز میں پڑھی جس میں سیدی غوث عبدالعزیز دباغ قدس سرہ نے اس روایت کو باطل اور موضوع قرار دیا اور سورۂ حج کی زیر بحث آیت: ۵۲ کا صحیح محمل بیان کیا۔ اس کے بعد میں اس پر مسلسل مطالعہ کرتا رہا۔ میں نے اپنے معاصر علماء سے اس روایت کے بارے میں مذاکرہ بھی کیا۔ میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں بعض جید علماء نے بھی اس موضوع روایت کو اس باطل تاویل کے سہارے اختیار کر لیا ہے، جس کو ابھی ہم نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ تاہم یہ علماء صحیح العقیدہ ہیں اور ان کی نیت فاسد نہیں ہے صرف روایت پرستی کے روگ کی وجہ سے انہوں نے اس روایت کو اس باطل تاویل کے ساتھ اپنی تصانیف میں درج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور مصنف کے دل میں محبت رسول ﷺ کو اور زیادہ کر دے۔ اے اللہ! تو گواہ ہے کہ میں شخصیت پرست نہیں ہوں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت سے بڑھ کر مجھے کسی کی حرمت عزیز نہیں ہے۔ میں نے جو یہ سعی کی ہے وہ صرف اور صرف مقام رسول ﷺ کے تحفظ کی خاطر کی ہے۔ اے اللہ اس کوشش کو قبول فرما اور اس کو مصنف کے لیے توشۂ آخرت اور مغفرت اور رحمت کا ذریعہ بنا دے، مصنف کو بیش از بیش خدمت دین کی توفیق دے اور اس کا ایمان پر خاتمہ فرما اور دارین کی نعمتیں اور سعادتیں اس کا مقدر کر دے۔

حسبہ بل

۱۸ ستمبر ۲۰۰۶ کو ہم ٹی وی کے ایک معروف پروگرام Spot Light میں حسبہ بل کے موضوع پر ایک ٹاک شو ریکارڈ ہوا۔ جو ۲۰ ستمبر ۲۰۰۶ کو نشر ہوا۔ مجلس تفسیر کے سربراہ ڈاکٹر شکیل اوج نے حسبہ بل پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حسبہ بل میں محتسب اعلیٰ کو وہ اختیار دیا گیا ہے۔ جو آئین پاکستان کی رو سے صرف سپریم کورٹ آف پاکستان کو حاصل ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی مقدمہ یا معاملہ محتسب اعلیٰ کی عدالت میں زیر سماعت ہو تو اسے نہ تو صوبے کی عدالت عالیہ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے اور نہ سپریم کورٹ آف پاکستان میں اور نہ ہی فیڈرل شریعت کورٹ میں۔۔۔۔ اس طرح حسبہ بل کے نفاذ کے بعد ایک Extra Judiciary ہی نہیں بلکہ Parallel Judiciary کا نظام قائم ہو جائے گا۔۔۔ اور یہ ایسی عدالتی خودمختاری ہوگی، جسکی نظیر اگر دیگر صوبوں میں بھی قائم کر دی جائے تو ملک کی عدالتی وحدت کا نظام ٹوٹ جائے گا۔ اس پینل ڈسکشن میں عدالت عالیہ سندھ کے سابق جج مسٹر جسٹس شائق عثمانی، سابق وفاقی وزیر حاجی حنیف طیب اور ہیومن رائٹس ایکٹوسٹ خاتون نے بھی حصہ لیا۔ میزبان کے فرائض مشہور صحافی مظہر عباس نے انجام دیے۔

(رپورٹ: شاکر حسین خان)

نبی اُمّی قرآن کی روشنی میں

علامہ تمنا عمادیؒ

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم و یعلمهم الکتب والحکمة (سورۃ الجمعۃ: ۲)

وہی (اللہ تعالیٰ ہی) ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو پاک نفس بنائے اور (اللہ تعالیٰ کی) کتاب و حکمت کی تعلیم کرتے رہیں۔

واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا ، انک انت السمیع العلیم۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۷)

(وہ بھی کیا وقت تھا) جب ابراہیم علیہ السلام اس گھر (کعبہ مکرمہ) کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور اسمٰعیل علیہ السلام (بھی ان کے ساتھ، دونوں دعائیں کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب ہم دونوں سے (اس خدمت کو) قبول فرمالے۔ تو (دعاؤں کا) سننے والا (دل کی نیتوں کا) جاننے والا ہے۔

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۸)

اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہم دونوں کی نسل سے ایک بڑی امت اپنی فرمانبردار تیار کر دے اور ہمیں ہمارے عبادت کے (وہ) طریقے (جو) ہمارے مناسب ہوں اور ہم لوگوں کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک و یعلمھم الکتب والحکمۃ و

یزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔(سورۃ البقرۃ:۱۲۹)

اے ہم دونوں کے رب اوران (ہم دونوں کی نسل والی امت کے) لوگوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرما جوان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اوران کو (تیری) کتاب اور حکمت کی تعلیم کرے اوران کو پاک نفس بنائے۔تو ہی عزت وحکمت کا مالک ہے۔

سورہ بقرہ کی تین آیتیں مسلسل ۱۲۷،۱۲۸،۱۲۹ میں نے ترجمے کے ساتھ پیش کردی ہیں اور یہ مقالہ شروع کیا ہے۔سورہ جمعہ کی دوسری آیت سے۔سورہ بقرہ کی ان تینوں آیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے آخری یعنی ۲:۱۲۹ کو سورہ جمعہ کی آیت سے ملا کر دیکھیے۔

بنی اسرائیل اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے آخری نبی کے منتظر ضرور تھے ان کے عوام برابر غیر بنی اسرائیل مشرکین کو اوران کے موحدین مشرکین بنی اسرائیل کو آخری نبی کی آمد کی پیشین گوئیاں سنا سنا کر ڈرایا کرتے تھے کہ وقت آ گیا ہے۔آخری نبی کے آنے کا۔انہیں آنے دو تم کو تمہارے مشرکانہ اعمال اور بداعمالیوں کی سزا مل جائے گی۔مگر وہ سمجھتے تھے کہ وہ آخری نبی بھی بنی اسرائیل ہی میں سے مبعوث ہوں گے۔مگر آئے بنی اسمٰعیل میں۔یہ بات عامہ بنی اسرائیل کو سخت ناگوار ہوئی تو انکار وکفر پر آمادہ ہو گئے۔

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما

عرفوا کفروا بہ(سورۃ البقرۃ:۸۹)

وہ بنی اسرائیل بعثت نبوی سے پہلے آخری نبی کے مبعوث کیے جانے کی اور (ان کے ذریعے) کافروں پر فتح حاصل ہونے کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔مگر جس کو وہ (اچھی طرح) پہچانتے تھے جب وقت آ گیا تو اب اس کو ماننے سے انکار کرنے لگے۔

اوران کا یہ انکار کسی برہان ودلیل کی بناء پر یا شک وشبہ کی بناء پر نہ تھا۔بلکہ ارشاد ہے کہ:

بغیا ان ینزل اللہ من فضلہ علی من یشاء من عبادہ(سورۃ البقرۃ:۹۰)

(یعنی بنی اسرائیل نے جو رسول اللہ ﷺ کو رسول برحق تسلیم کرنے سے انکار کیا وہ محض) ضد کی بناء پر کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کی توقع کے مطابق آخری نبی کو کیوں مبعوث نہ کیا؟ ان کے نزدیک۔یہ ٹھیک نہیں ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے (خود) جس پر چاہا اپنا فضل (اپنی کتاب) نازل فرمائے۔

غرض بنی اسرائیل کا انکار وکفر محض حسدا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم

الحق(سورۃ البقرۃ:۱۰۹)

یعنی صرف نفسانی جذبہ حسد کے سبب تھا باوجود اس کے کہ حق بات ان پر واضح ہو چکی تھی مگر وہ اس حسد سے کہ یہ آخری نبی بنی اسرائیل میں کیوں نہ آئے۔

بنی اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باوجود محض اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے تعمیر کعبہ مکرمہ کے وقت جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کرتے جاتے تھے اس کا ذکر فرما کر یہ فرما دیا کہ آخری نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کی مشترکہ دعاؤں کی وجہ سے بنی اسمٰعیل علیہ السلام میں مبعوث ہوئے۔تو اب حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہما السلام کی مشترکہ دعا والی آیت ۱۲۹ کو اور سورۂ جمعہ کی دوسری آیت ملا کر دیکھیے۔حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہما السلام کی دعا تھی جو اپنی اولاد یعنی بنی اسماعیل ہی کے لئے کہ انہیں میں سے ایک نبی ان میں مبعوث فرمایا جائے۔وہ دعا قبول ہو گئی۔جس کا ذکر بعث فی الامیین رسولا منھم میں فرمایا گیا۔اور بنی اسماعیل ہی کو الامیین فرمایا گیا۔کیوں بنی اسماعیل کو الامیین فرمایا گیا؟ اس کی وجہ بھی آپ کلام اللہ ہی سے پوچھیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا فرمائی تھی:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم

ربنا لیقیموا الصلوۃ(سورۃ ابراہیم ۱۴_۳۷)

اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد (میں) سے بعض کو ایک ناقابل کاشت وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔اے ہمارے رب (اس سے میری کوئی اور غرض نہیں بجز اس کے) تاکہ یہ لوگ نماز (کے نظام) کو قائم رکھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وادی غیر ذی زرع مکہ معظمہ ہی کو فرمایا تھا جس کے قلب میں بیت اللہ کعبہ مکرمہ ہے اور مکہ مکرمہ کا مشہور ومعروف لقب ام القریٰ ہے۔قرآن مجید میں تو مکہ کا لفظ بھی کہیں مذکور نہیں۔البتہ بکہ کا لفظ ہے۔بعض غیر معتبر تفسیری روایتوں میں آ گیا ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک نام بکہ بھی ہے۔تو مفسرین کے لئے ایک روایت میں کسی بات کا ہونا کافی تھا اور اہل لغت تو مفسرین کے بعد پیدا ہوئے۔جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے اہل لغت نے بھی لکھ دیا۔بکہ دراصل مکہ معظمہ کے ایک صحرا کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ معظمہ میں تشریف آوری کے قبل سے مشہور تھا جس صحرا میں ان کو بیت اللہ کا پتہ بتا کر اس کو نئے سرے سے تعمیر کا حکم ہوا تھا۔پہلے اس صحرا میں باہر کے آئے ہوئے تجارتی قافلے برابر ٹھہرا کرتے تھے۔بکہ کے لغوی معنی خود اہل لغت لکھتے ہیں "جائے ازدحام" بنائے مکہ مکرمہ

سے پہلے اس صحرا میں ہر وقت دو تین تجارتی قافلے آ کر ٹھہرتے تھے۔ اس وقت وہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور مکہ کے معنی معقر کے ہیں۔ گویا یہ بلد اس پوری زمین کا معقر ہے۔ غرض مکہ پورے شہر کا نام ہے اور بکہ اس صحرا کا نام تھا جس میں کعبہ کی تعمیر ہوئی۔ حرم شریف کا پورا احاطہ بکہ ہے۔ غرض قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کو ام القریٰ ہی کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ امی کا لفظ اس مرکب اضافی کے مضاف میں یائے نسبت لگا کر بنایا گیا ہے۔ منسوب الیہ مرکب ہو تو طوالت سے بچنے کے لئے اس کے ایک جز میں یائے نسبت لگانا معمول ہے کہ جیسے عبید اللہ المہدی بانی حکومت فاطمیہ کی اولاد اور اس کے متبعین کو عبیدیون کہتے تھے، تاریخ کی کتابوں میں عبیدین کا حال آپ کو ملتا ہے۔ یہاں بھی مضاف میں ہی یائے نسبت لگی ہے۔ اسی طرح عبدالدار سے عبدری ہے۔

مختصر یہ ہے کہ چونکہ ام القریٰ سارے بنی اسرائیل کا آبائی وطن تھا اس لئے سارے بنی اسماعیل فخر کے ساتھ اپنے کو امی کہتے تھے چاہے بعد کو ان کی چند پشت اوپر کے اسلاف مکہ مکرمہ سے منتقل ہو کر بہت دور کسی اور جگہ کیوں نہ سکونت پذیر ہو گئے ہوں۔ مگر وہ اپنی نسبت مکہ مکرمہ سے باقی رکھنے کے لئے اور اپنے بنی اسماعیل ہونے کے ثبوت کے لئے امی ہی اپنے کو کہتے تھے اور کہتے رہے۔

ام القریٰ کا لفظ ایک تو سورۃ انعام کی آیت کریمہ ۹۲ میں آیا ہے۔

وھذا کتب انزلنہ مبرک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر ام القری

ومن حولھا۔ (سورۃ الانعام:۹۲)

اور یہ بڑی عظمت والی کتاب ہے ہم نے اس کو نازل کیا ہے۔ برکتوں سے بھری ہے۔ اس سے آگے جو (کتابیں اتریں) تمھیں ان کی تصدیق کرنے والی ہے۔ (اور یہ اس لئے اتاری گئی ہے) تاکہ تم (اس کے ذریعے) ام القریٰ اور اس کے گردو پیش کی (بستیوں کے رہنے والوں) کو (شرک اور بداعمالیوں کے

برے نتائج سے برابر) ڈراتے رہو۔

دوسرا سورۃ الشوریٰ ہے جس کی ساتویں آیت کریمہ یہ ہے۔

وکذلک او حینا الیک قراٰنا عربیا لتنذر ام القری ومن حولھا (سورۃ الشوریٰ:۷)

اسی لئے (اے رسول) ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ ام القریٰ اور اس کے گردو پیش

(کی بستیوں کے رہنے والوں) کو (شرک و بداعمالی کے برے نتائج سے) ڈراتے رہو۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کئی سال تک مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف و جوانب کی بستیوں کی طرف تھی۔ اس کے بعد وحی آئی:

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (سورۃ الاعراف ۷۔۱۵۸)

(آپ اے رسول) عام اعلان کر دو کہ اے عالم انسانیت والو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

مذکورہ بالا آیات کریمات سے یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں مکہ معظمہ کو ام القریٰ فرمایا گیا ہے اور بنی اسماعیل کا چونکہ آبائی وطن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے ام القریٰ رہا اور وہ مکہ معظمہ اور حوالی مکہ معظمہ میں بہت بڑی تعداد میں آباد بھی تھے۔ اس لئے بنی اسماعیل کو امیین فرمایا گیا ہے۔

غیر اہل کتاب ہونا

بنی اسماعیل کے پاس بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے خلفاء رضی اللہ عنہم کے زمانے میں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی تھی ایک مدت تک وہ سارے ہدایت نامے موجود تھے۔ صحف ابراہیم علیہ السلام کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ (سورۃ اعلیٰ کی آخری آیت میں) اور سورۃ بقرۃ آیت ۱۳۶ میں ہے۔

وما انزل الی ابراھم و اسمعیل و اسحق و یعقوب والاسباط (سورۃ البقرۃ ۲۔۱۳۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحی کتاب یا صحیفے کی صورت میں یا جس شکل میں بھی ہو ان میں سے ہر ایک پر نازل ہوئی تھی۔ اس لئے بنی اسماعیل کو کتاب اللہ سے محروم ہرگز نہیں رکھا گیا تھا۔

مگر بنی اسرائیل میں برابر بعثت انبیاء کا سلسلہ جاری رہا متعدد کتابیں بھی یکے بعد دیگرے اترتی رہیں۔ ضائع شدہ کتاب کسی نبی نے آ کر درست کر دی۔۔۔۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء تھے ان کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی نبی تو نہیں آیا مگر تورات و زبور یہود و نصاریٰ کی متفق علیہ کتابیں تھیں اور ہیں۔ تحریفیں تو اپنے اپنے نقطۂ نگاہ کے اعتبار سے دونوں نے کیں مگر محرف ہی سہی، دونوں کتابیں دونوں کے پاس موجود تو رہیں۔ انجیل سے تعلق صرف نصاریٰ کا تھا اور ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضرت موسیٰ و حضرت داؤد علیہ السلام کی کتابیں تو رکھتے اور اپنے نبی کی کتاب نہ رکھتے۔ تحریفیں تو حسب عادت اس میں بھی بہت کیں۔ مگر محرف ہی سہی انجیل کو بھی سینے سے لگائے رہے۔ مگر بنی اسماعیل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت خاتم النبیین ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہ آیا۔ اس لئے ان کے پاس نہ صحف ابراہیم علیہ السلام رہے نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر اتری ہوئی کتاب رہی۔

بنی اسماعیل صدیوں تک کتاب اللہ سے بالکل محروم ہو گئے، اور بت پرستی میں انہماک کی وجہ سے ملت ابراہیمی کی کوئی بات ان میں باقی نہ رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کا احترام تو دلوں میں تھا مگر دینی مسلک کے اعتبار سے بنی اسماعیل کو دور کا بھی کوئی لگاؤ ان بزرگواروں سے باقی نہ رہا تھا۔

مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد یہودیوں سے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیا سابقہ پیش آیا۔ امیین کی طرف تو آپ ﷺ کی پہلی بعثت ہوئی تھی۔ تیرہ برس مسلسل انہیں میں تبلیغ کرتے رہے۔ انہیں میں سے مؤمنین کی ایک معقول جماعت تیار ہو گئی جس میں سے بہت بڑی جماعت ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئی تھی۔ مگر خود بھی مدینے میں پہلے سے بنی اسماعیل امیین کی بہت بڑی جماعت آباد تھی۔ مدینہ طیبہ کے دو مشہور قبیلے اوس و خزرج امیین ہی میں سے تھے یعنی بنی اسماعیل ہی تھے۔ اعراب جو مدینہ طیبہ کے گرد و پیش کی بستیوں میں رہتے تھے وہ سب امیین ہی تھے۔ مدینہ طیبہ کے انصاری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب امیین ہی تھے۔ مگر امیین سے کوئی نیا سابقہ نہ تھا۔ نیا سابقہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں سے پیش آیا۔ اس لئے مدینہ طیبہ میں جو پہلا سورۃ اترا یعنی سورۂ بقرۃ تو اس میں پہلے تین جماعتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ مکہ معظمہ میں صرف دو جماعتیں تھیں۔ مؤمنین تھے یا کفار۔ مگر مدینہ طیبہ میں ایک بڑی بھاری تعداد مہاجرین کی آ گئی۔ پھر انصار مہاجرین کی یکجائی سے مؤمنین کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اس لئے مدینہ طیبہ کے بدنصیب کفار مؤمنین کی مدینہ طیبہ میں امان اور گہما گہمی دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور اپنی بدطینتی کے باعث اسلام قبول کرنے پر بھی دل سے آمادہ نہ ہوئے تو انہوں نے منافقت اختیار کر لی، اور بظاہر مسلم بنے مگر دل میں اپنے کفر چھپائے رکھا۔ مسلمانوں سے مسلمان بن کر ملتے تھے اور کفارے کا قرین کر اس لئے مدینے میں تین جماعتوں سے قرآن مجید کا سابقہ پیش آیا۔ مؤمنین و کافرین کے علاوہ منافقین کی نئی جماعت سے بھی۔ اس لئے سورۂ بقرۃ کی ابتدائی تمہیدی آیات کریمات میں پہلے مؤمنین کا ذکر فرمانے کے بعد کفار کا ذکر فرمایا گیا۔ اس کے بعد منافقین کا، اور یہ سب امیین ہی میں سے تھے۔ اس کے بعد یاایھا الناس کے پرعظمت انداز مخاطبت سے پورے عالم انسانیت کو مخاطب فرما کر توحید کی تبلیغ فرمائی گئی اور شرک جیسے ظلم عظیم سے باز رہنے کی تاکید فرمائی گئی۔ اس کے بعد حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے گئے۔ چونکہ بنی اسرائیل کی کتابوں میں یہ سارے واقعات مذکور ہیں۔ وہ زبان سے تصدیق نہ کریں مگر ان کے قلوب تو ضرور ان باتوں کی تصدیق کریں گے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کو خاص طور پر پکار پکار کر مخاطب کیا گیا اور ان کو سمجھایا گیا ان کی گذشتہ نافرمانیاں اور سرگوشیاں جو انہوں نے

اپنے رسول ﷺ کے ساتھ کی تھیں ان کو یاد دلائی گئیں۔ مگر مدینہ طیبہ میں ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے یہود اپنا اقتدار قائم کئے ہوئے تھے۔ امیین یعنی بنی اسماعیل مدینہ و اطراف مدینہ میں بہت تھے مگر قبائل میں بٹے ہوئے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ امیین کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے دشمن تھے اور یہود ان کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے۔ اکثر یہود کا خیال یہ تھا کہ امیین بنی اسماعیل کو باہم لڑاتے رہنا ان کو باہمی مسلسل خونریزی کے ذریعے کمزور بنائے رکھنا، بلکہ ان کے ساتھ خیانت کرنا، ان پر ظلم کرنا ہمارے لئے جائز ہے۔ اس کے متعلق اللہ ہم سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کرے گا۔ ان کا قول قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار يؤده اليك ، ومنهم من ان تامنه بدينار لا يؤده اليك الا ما دمت عليه قائما ، ذلك بانهم قالوا ليس علينا في الاميين سبيل ، ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون ۔ (سورۃ آل عمران ۳:۷۵)

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس مال کا ایک ڈھیر بھی امانت رکھ دو تو وہ (تمہارے مطالبے کے وقت) اس کو تمہیں دے دیں گے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کے پاس تم ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو تمہیں واپس دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے مگر یہ کہ تم ان پر (قوت کے ساتھ) مسلط ہو جاؤ۔ یہ بد معاملگی (ان میں) اس لئے ہے کہ امیوں (بنی اسماعیل) کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ و عائد نہیں ہوگا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو امیوں کے ساتھ بددیانتی اور ظلم کرنے کی اجازت دے دی ہے) بلکہ وہ جانتے بوجھتے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں۔

بدسے بدتر اور ظالم سے ظالم قوم میں سے بھی کچھ نیک فطرت افراد ضرور ہوتے ہیں مگر عموماً اچھے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وقليل من عبادي الشكور (سورۃ سبا ۳۴:۱۳)

میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہی سے ہیں۔

اس لئے دو طرح کے اہل کتاب کی جو اخلاقی حالت بیان کی گئی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ اہل کتاب سے یہاں صرف یہودی مراد ہوں۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں اہل الکتب لفظ عام رکھا گیا ہے جن میں یہود و نصاریٰ دونوں داخل ہیں۔ حسن معاملہ والوں کا جو پہلے ذکر ہے ان سے نصاریٰ مراد ہوں، اور بدمعاملہ جن کا ذکر بعد کو ہے ان سے یہود مراد ہوں۔ سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ نمبر ۸۲ جو چھٹے پارے کی آخری آیت ہے پڑھئے:

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا، ولتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصری، ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون ۔(سورۃ المآئدہ ۵:۸۲)

مومنین کا سب سے سخت ترین دشمن تم یہودیوں کو پاؤ گے اور مشرکین اور (بت پرستوں) کو اور مومنین سے محبت میں قریب تر (یہود و مشرکین کے مقابل) تم ان لوگوں کو پاؤ گے۔ جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں (ان کے) علمائے دین ہیں اور درویش لوگ ہیں اور یہ لوگ اپنے کو (سب سے) بڑا نہیں سمجھتے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حسن معاملہ والے امانت دار اہل کتاب نصاریٰ ہی نظر آتے ہیں اور بد معاملہ خائن اہل کتاب یہود (واللہ اعلم)

مدینہ طیبہ میں اس وقت یا بنی اسماعیل تھے یا بنی اسرائیل بلکہ درحقیقت پورے حجاز ہی میں بنی اسماعیل یا بنی اسرائیل ہی آباد تھے اس لیے یہ کہنا کہ بنی اسرائیل غیر بنی اسرائیل کو امیین کہتے تھے اور یہ کہنا کہ بنی اسرائیل، بنی اسماعیل کو امی کہتے تھے دونوں یکساں ہیں۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ یعنی عرب کے اہل کتاب بنی اسماعیل کو امیین کہتے تھے اور بنی اسماعیل خود بھی اپنے کو فخر کے ساتھ امیین سمجھتے اور کہتے تھے۔ اور دیکھئے سورۃ آل عمران ہی کی بیسویں آیت میں پڑھئے۔

و قل للذین اوتوا الکتب والامیین ءاسلمتم، فان اسلموا فقد اھتدوا ۔(آل عمران:۲۰)

اور (اے رسول ﷺ!) تم اہل کتاب سے اور امیین سے پوچھو کہ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا؟ تو اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ ہدایت پا گئے۔

چونکہ اس زمانے میں بھی بنی اسرائیل، یعنی اہل کتاب اور امیین بنی اسماعیل، یہی دو قومیں مدینہ طیبہ اور اسکے گرد و پیش کی بستیوں میں تھیں اس لئے بنی اسرائیل کو الذین اوتوا الکتب کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا۔ اور بنی اسماعیل کو الامیین کے لفظ سے، پورے حجاز میں دو قومیں آباد تھیں۔ اس وقت حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبعوث الیہم تبلیغی مخاطب یہی دو برابر کی قومیں تھیں۔ اہل کتاب یعنی بنی اسرائیل اور امیین یعنی بنی اسماعیل، اسی لیے ان دونوں کو اس آیت کریمہ میں مخاطب کرنے کا آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کوئی اور تیسری قوم ان دونوں کے سوا حجاز میں آبادی نہ تھی۔ کچھ افراد اگر باہر سے آ کر تجارت وغیرہ کے ذریعے یا تو اسی قسم کے لوگ انفرادی حیثیت سے حجاز کی کسی بستی میں بلکہ مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ میں بھی علیحدہ یا کسی قبیلے کے بعض افراد کے ساتھ سکونت پذیر ہوں تو ضمناً وہ بھی اس مخاطبت کے مخاطب سمجھے جائیں

گے۔ مگر ضمناً ہی مخاطب ہو سکتے ہیں، ان لوگوں کی اپنی کوئی جداگانہ مستقل قومی حیثیت نہیں سمجھی جا سکتی کہ وہاں وہ بھی اہل کتاب اور امیین کی طرح کسی اور قومی نام سے مخاطب ہوتے۔

لا یعلمون الکتب

سورۃ بقرہ کے نویں رکوع میں اہل کتاب یعنی مدینہ طیبہ کے یہودیوں کی سنگدلی، بے ایمانی اور ہٹ دھرمی کا ذکر کرتے ہوئے مومنین سے فرمایا گیا ہے کہ:

افتطمعون ان یؤمنوا لکم (سورۃ البقرۃ ۲:۷۵)

کیا تم ان سے امید رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے؟ یہ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اپنی کتاب میں بھی وہ باتیں جو ان سے کہی گئی ہیں۔ ان میں جو باتیں ان کی مرضی کے خلاف پڑتی ہیں یہ ناخدا ترس ان میں بھی رد و بدل کر دیا کرتے ہیں۔ جس کتاب پر ایمان ہے اس میں بھی تحریف کرتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلہ کلام میں بطور جملہ معترضہ کے امیین کا بھی ذکر فرما دیا گیا ہے۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے ساتھ یہ بھی انکار و کفر و مخالفت میں یہودیوں کے ہمنوا و شریک کار تھے مگر بحث و مناظرہ کا تعلق ان سے کیا ہوتا۔ ان کے پاس زبانی کٹ حجتی کے سوا تھا ہی کیا۔ یہودیوں سے البتہ بحثیں ہوتی تھیں اور توراۃ کی باتیں پیش کر کے ان کو قائل کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہود مدینہ کی ہٹ دھرمیوں کے سلسلہ ذکر میں فرمایا گیا ہے۔

ومنھم امیون لا یعلمون الکتب الا امانی وان ھم الا یظنون (سورۃ البقرۃ ۲:۷۸)

یعنی ان منکرین مخالفین کے زمرے میں امیین بھی ہیں۔ مگر وہ کسی آسمانی کتاب کو تو جانتے بھی نہیں بجز (وہمی) ہوا و ہوس کے۔ وہ بس صرف بے بنیاد باتوں پر چلتے ہیں۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں امیین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی اور حوالی مدینہ میں انہی کی اکثریت تھی اس لئے ان کو نظر انداز کس طرح کیا جا سکتا تھا۔ ان کا ذکر بالکل نہ کرنا باوجود ان کے قابل ذکر نہ ہونے کے مناسب نہ تھا۔ بدیں وجہ اثنائے ذکر یہود میں مختصر لفظوں میں امیین کا ذکر کر کے ان کے قابل ذکر نہ ہونے کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے نہ دوسری قوموں کی کتابوں کا علم رکھتے ہیں نہ ان کو سند سمجھ کر ان کتابوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ صرف وہمی امیدوں اٹکل پچو اوہام و ظنون ہی پر ان کے دین کا دار و مدار ہے جن کو عقلی دلائل سے بھی کوئی مناسبت نہیں تو ان اوہام پرستوں کے متعلق کیا باتیں کی

جائیں اور ان کی کوئی سی بات اس قابل ہے کہ اس کی تردید ضروری سمجھی جائے۔ اس لئے مختصر مگر بلیغ جملے میں امیون کا ذکر فرما کر پھر یہودی کے حالات بیان فرمائے گئے۔ اس آیت کریمہ سے امیین کی دینی حیثیت واضح فرمادی گئی کہ ظنون واوہام کے سوا ان کا دینی سرمایہ کچھ نہ تھا۔ پورے قرآن مجید میں ازروئے نحو، باعراب رفع امیون کا لفظ اسی آیت کریمہ میں آیا ہے۔ اس کے سوا تین جگہ باعراب جر امیین کا لفظ آیا ہے۔ سورۂ اعراف کی آیت کریمہ ۱۵۷، ۱۵۸ دونوں میں یکے بعد دیگرے اور پھر سورۂ جمعہ کی دوسری آیت کریمہ میں، جو بتوفیقہ تعالیٰ وتبارک ان چاروں آیتوں پر اور لفظ امیین کی معنوی اور قوم امیین کی نسبی و وطنی حیثیت اور وجہ تسمیہ اور پھر ان کی دینی بے بضاعتی سب پر بحث ہو چکی۔ فالحمد للہ

النبی الامی

قرآن مجید میں دو جگہ یہ عظمت مآب مرکب توصیفی آیا ہے۔ ایک ہی سورۃ میں ایک ہی سلسلہ کلام میں ایک ہی جگہ پے در پے دو آیتوں میں یعنی سورۂ اعراف کی آیت کریمہ ۱۵۷ میں اور آیت کریمہ ۱۵۸ میں وہ دونوں آیت کریمہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعض اہم واقعات سے متعلق ہیں۔ اس لئے پوری دونوں آیتوں کا لکھنا بھی کافی نہ ہوگا۔ کم سے کم آیت کریمہ ۱۵۵ سے ۱۵۸ تک لکھ کر ترجمہ ہی نہیں بلکہ پوری تفسیر لکھنی ہوگی اور جن واقعات کا ان آیتوں میں ذکر ہے ان کو وضاحت سے سمجھنا ہوگا۔ جس سے غلط بحث بھی ہوگا۔ اس وقت تو مجھ کو صرف یہ دکھانا ہے کہ قرآن مجید میں جو دو جگہ رسول اللہ ﷺ کو النبی الامی فرمایا گیا ہے وہاں ان آیتوں میں النبی الامی کے معنی کیا ہیں؟ اس لئے سورۂ اعراف کی ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت بقدر ضرورت ہی عبارت پیش کرتا ہوں، دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت ۱۵۷ کا پہلا جملہ ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی
التورۃ والانجیل (سورۃ الاعراف:۱۵۷)

وہ لوگ جو پیروی کریں گے امی (قوم کے) رسول نبی کی جن (کی نشاندہی) کو وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور پوری آیت ۱۵۸ اس طرح ہے۔

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ن الذی لہ ملک السموت والارض ج لا الہ الا ھو یحی و یمیت فامنوا با للہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون ۔(سورۃ الاعراف:۱۵۸)

(اے رسول ﷺ!) اعلان کر دو کہ اے سارے جن وانس! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں (وہ اللہ) ساری بلندیوں اور ہر پستی میں جس کی بادشاہی وحکومت ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تو ایمان لاؤ (اس) اللہ پر اور اس کے رسول امی (قوم کے) نبی پر جو (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس (نبی امی) کی پیروی کرتے رہو تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ پا جاؤ۔

ان دونوں آیتوں میں حضور ﷺ کو النبی الامی فرمایا گیا ہے اور سورۃ جمعہ کی دوسری آیت کریمہ میں آپ ﷺ ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

بعث فی الامیین رسولا منھم

اللہ تعالیٰ نے امی قوم کے لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔

اور حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے دعا فرمائی تھی ام القریٰ میں بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہوئے کہ ہم دونوں کی نسل میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ اور اسی ام القریٰ میں اپنی نسل کو بسانے کا بھی ذکر ابراہیم علیہ السلام نے دعا ہی میں کیا تھا۔ اور یہ ساری دعائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نسل کے لئے فرمائی تھیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے ام القریٰ میں اس کے حوالی میں پھیلی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کی مشترکہ دعا جو قبول فرمائی گئی اس کا ذکر اس طرح نہیں فرمایا گیا کہ:

ھو الذی بعث فی ذریۃ ابراھیم و اسمعیل رسولا منھم

کہ اس میں طوالت بیان الگ ہوتی اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی سکونت کا ذکر فرمایا تھا۔ وہ سکونت مذکور نہ ہوتی اور فی الامیین فرماتے ہیں۔ ام القریٰ کی سکونت کا ذکر بھی ہو گیا۔ اور ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل وہاں بسائی گئی۔ دعا بھی اسی نسل ابراہیمی واسماعیلی ہی کے لئے کی تھی۔ اس لئے الامیین کہنے سے نسل ابراہیم واسماعیل علیہ السلام ہونا ثابت ہو رہا ہے اور ان کی سکونت ام القریٰ بھی اس سے ثابت ہو رہی ہے۔ انہیں امیین میں سے یہ نبی امی مبعوث ہوئے تو اس صفت امیت سے النبی کا اتصاف اور ان کا۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونا۔ بنی اسماعیل میں سے ہونا ثابت کر رہا ہے اور ام القریٰ کا ساکن ہونا بھی ثابت کر رہا ہے اور یہ دونوں باتیں باعث شرف اہل عرب کے نزدیک اس وقت ضرور تھیں۔

حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے شہروں میں غیر بنی اسماعیل اور غیر بنی اسرائیل قبائل بھی تھے وہ بنی اسماعیل کا بہت احترام کرتے تھے بنی اسرائیل کے سوا عرب کے سارے قبائل بنی اسماعیل امیین کا احترام کرتے تھے۔ ان کی خاندانی عظمت اور خادم ومجاور بیت اللہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر سارے غیر اسرائیلی قبائل عرب بنی اسماعیل کو قابل احترام مانتے تھے اس لئے ہر طرح کے حملہ آوروں سے محفوظ تھے۔ یہاں تک کہ ان کے تجارتی قافلے بھی ڈاکوؤں کے حملے سے محفوظ رہتے تھے۔ ڈاکو بھی ان امیین کا احترام کرتے تھے۔ اس لئے الرسول النبی کے لفظوں سے آنحضرت ﷺ کی عظمت وجلالت منصبی کا اظہار فرمایا گیا اور الامی کے لفظ سے آپ ﷺ کی خاندانی شرافت اور مولد ومسکن کی عظمت بھی بتادی گئی۔ اتنی واضح بات مذکورہ بالا آیات کے ہوتے ہمارے اسلاف صرف ایک جھوٹی اور خلاف عقل روایت پر یقین کر لینے کی وجہ سے سمجھ نہ سکے۔

ان پڑھ ہونا معجزہ نہیں ہے

قرآن مجید میں صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ:

وما كنت تتلوا من قبله من كتب ولا تخطه بيمينك

اذا لارتاب المبطلون (سورۃ العنکبوت:۴۸)

(اے رسول ﷺ) اس (منصب) سے پہلے تم کوئی کتاب پڑھ سکتے نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے۔ (اگر تم لکھے پڑھے ہوتے) تو اس وقت باطل پرست لوگ (طرح طرح سے) شبہے پیدا کرتے۔

حضور ﷺ کے لئے لکھے پڑھے نہ ہونے کا صرف ایک فائدہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اگر حضور ﷺ کے لئے ان پڑھ ہونا معجزہ ہوتا تو فرمایا جاتا:

ومن ايات نبوتك انك ما كنت تتلو من قبله من كتب ۔الخ

نہ ہی یہ کوئی معجزہ ہو سکتا ہے۔ البتہ جو شخص چالیس برس تک پوری قوم کا جانا بوجھا ان پڑھ ہو وہ دفعتاً لکھی ہوئی کتاب ہر پڑھنے والے سے بہتر طریقے سے پڑھنے لگے اور اپنے ہاتھ سے بہترین خط الطی کے نمونے دکھانے لگے تو یہ البتہ معجزہ ہوگا۔

نبوت کے بعد ۲۳ برس تک آپ ﷺ کو موقع ملا، اتنی وسیع مدت میں آپ ﷺ کے لئے پڑھنا لکھنا سیکھنا کیا دشوار تھا؟ اہل سیر کے لکھنے کے مطابق نبوت کے بعد ۲۳ برس کا وسیع وقت ملنے کے باوجود بھی تا دم وفات آپ ﷺ کا ان پڑھ رہنا معجزہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔ اس کو لکھنے پڑھنے کی اہمیت نہ سمجھنا اور لکھنے پڑھنے کی طرف سے بے پروائی ضرور کہا جائے گا۔ متنبی نے خوب کہا ہے:

ولم ار في عيوب الناس شيئا

كنقص القادرين على التمام

یعنی انسانوں کے عیبوں میں سے (بدترین) اس جیسا عیب میں نہیں سمجھتا کہ اپنی تکمیل کی قدرت رکھنے کے باوجود لوگ اپنے نقص پر قانع رہیں۔

غرض منافقین نے ان پڑھ ہونے کو معجزہ قرار دے کر اس کا خوب ڈھنڈورا پیٹا اور طرح طرح سے اس کو مشہور کیا اور لفظ امی کے معنی ہی ان پڑھ قرار دے کر اس کو خوب مشہور کیا اور بعد کو ایک حدیث بھی گھڑ لی۔

امۃ امیۃ

صرف اسود بن قیس النخعی الکوفی سعید بن عمرو بن سعید سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ انہوں نے حدیث بیان فرمائی رسول اللہ ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

ان امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا و عقد الابهام في الثالثة . والشهر هكذا و هكذا وهكذا يعني تمام ثلاثين

ترجمہ: ہم لوگ امۃ امیہ (امی قوم) ہیں نہ حساب کرتے ہیں (نہ لکھنا جانتے ہیں نہ گنتی جانتے ہیں) مہینہ اسی طرح ہے اور اس طرح ہے (اپنی دسوں انگلیوں سے کف ہلا ہلا کر بتایا) مگر تیسری بار میں انگوٹھے کو دبا لیا تھا (یعنی ۲۹ کی گنتی ہوئی) پھر (اسی طرح دونوں ہتھیلیوں کی انگلیوں سے کف دست تین بار ہلا ہلا کر بتایا کہ) اور مہینہ اس طرح ہے اور اس طرح ہے اور اس طرح ہے (اب کی بار انگوٹھا نہیں دبایا) تیس پورا کیا۔

یہ حدیث مختلف طریق سے مروی ہے مگر اسود بن قیس ہی سے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث اسود بن قیس ہی سے مروی ہے۔ یہ اسود بن قیس دراصل اسود بن یزید بن قیس النخعی الکوفی ہے۔ نہایت مفتری تھا۔ کوفے کے بلوائی قاتلین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا سرغنہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی تک چھپا رہا۔ ان کی وفات کے بعد راوی احادیث بن کر نمودار ہوا۔ اس کے شاگردوں نے مشہور کیا کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ حج کئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس کا حج کرنا تو ناممکن ہے۔ کیوں کہ اس کی موت بقول ابی اسحاق السبیعی الکوفی ۷۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے اس کی پیدائش ۱۲ھ کی ٹھہرتی ہے۔ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفے سے بیس برس کی عمر میں جوانی